فیضان فاطمہ سلام اللہ علیہا

سید جعفر رضا بلگرامی

"رسولؐ کی بیٹی جناب سیدہ کے مقبول ترین نام **فاطمہ**(س)، **زھرا** اور **اُمّ ابیھا** ہیں۔ یہ الفاظ محض نام رکھنے کا مقصد پورا نہیں کرتے۔ ان کے معنی و مفہوم کے ارد گرد پوری شخصیت سنواری گئی ہے۔ اس لئے جناب سیدہ کا کردار ان الفاظ کے مفہوم کی تفسیر بن گیا ہے۔ انہیں الفاظ کی صفتوں کے مجموعہ کا نام" خلق عظیم " ہے جو رسولؐ کا خطاب ہے۔ یعنی فاطمہ زہرا اور **اُمّ ابیھا** کے اوصاف کو الگ الگ خانوں میں بانٹ کر سمجھنے کی کوشش کیجئے تو وہ رسولؐ کی بیٹی کی پہچان بن جاتے ہیں۔ ان کے " اجتماع" کو سمجھنے کی کوشش کیجئے تب " خلق عظیم" سمجھ میں آنے لگتا ہے، جو براہ راست سمجھنا مشکل ہے۔ اس طرح جناب سیدہ اپنی پہچان کے علاوہ خود رسولؐ کے خطاب خلق عظیم کے سمجھنے میں بھی مددگار ہیں۔ اس طرح یہ الفاظ اپنے مفہوم کے اعتبار سے بیک وقت سیدہ کے کردار کی تشریح اور رسولؐ کے خلق عظیم کی تفسیر ہیں۔ اس لئے ان الفاظ کے معنیٰ سمجھنا بہت اہم ہیں جن کے اوصاف، علیحدگی میں بیٹی کو اور اجتماع میں باپ کو متعارف کراتے ہیں۔"

فاطمہ (س): عربی زبان میں فاطمہ، فاطم کی تانیث ہے جس کے معنیٰ چھڑانے کے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ کون کون سے ناپسندیدہ و ناگوار عناصر تھے جن کو فاطمہ (س) کی زندگی سے چھڑایا گیا اور پرورش وتربیت میں ان کو علیحدہ رکھا گیا۔ پہلی بات یہ ہے کہ فاطمہؑ کی زندگی انتہائی سادہ تھی جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی زندگی کو عیش و عشرت اور تعیش کی زندگی سے چھڑایا گیا۔ یہ بات اس لئے بھی اور اہم ہو جاتی ہے کہ عورت فطرتاً سجاوٹ وبناوٹ کی طرف مائل ہوتی ہے۔ اس فطرت کے خلاف جناب فاطمہؑ کی زندگی اس طرح کی ریاکاری، نمائش ودکھاوے سے بالکل پاک تھی۔ کچھ حدیثوں میں ملتا ہے کہ ایک بار جناب فاطمہؑ نے کچھ زیورات اور دروازے کے پردے خریدے تھے رسولؐ کی معنیٰ خیز نگاہوں کو دیکھتے ہی جناب فاطمہؑ نے ان سب کو خیرات کردیا۔ جب رسولؐ کو معلوم ہوا تو خوشی سے بار بار کہتے تھے اس نے وہی کیا جو میری نیت تھی۔ وہ اپنے باپ کی اور زیادہ چہیتی ہو گئی ہے۔ فاطمہؑ اپنی سادہ زندگی سے یہ پیغام دے رہی ہیں کہ "سادگی میں عافیت ہے، سادگی میں فلاح ہے،" سادگی میں تحفظ ہے اور سادگی میں خوشحالی ہے، اصراف کے کلچر کی گردیدہ، لیکن پریشان حال دنیا کے لئے یہ سادہ زندگی کتنی راحت افزا اور

باعث تسکین ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جناب فاطمہؑ اپنے فرائض کو احساس ذمہ داری کے ساتھ نبھاتی تھیں۔ وہ خانگی معاملات اور بچوں کی پرورش وتربیت میں اتنی ہی مخلص تھیں جتنا کہ عبادت میں۔ انکی زندگی میں دنیاوی اور دینی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں کوئی فرق نہ تھا۔ یہ ان لوگوں کے لئے سبق ہے جو دنیاوی ذمہ داریوں کے پیش نظر دینی ذمہ داریوں یا دینی ذمہ داریوں کے پیش نظر دنیاوی ذمہ داریوں کو نظر انداز کرتے ہیں۔ جناب فاطمہؑ کا پیغام یہ ہے کہ ان میں سے کسی کا بھی نظر انداز ہو جانا سماج کی مادی یا روحانی فلاح کے منافی ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ جناب فاطمہؑ کے کہنے اور کرنے میں سچائی اور ایمانداری پائی جاتی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ انہوں نے اپنی زندگی کو جھوٹ اور بے ایمانی سے چھڑایا۔ مصلحتاً سچ اور عادتاً جھوٹ بولنے والی دنیا کو ابھی اس زندگی کے فیض کا احساس تک نہیں ہے۔ وہ ابھی اس زندگی کی رحمت و نعمت کی متمنی ضرور ہے۔ لیکن مستحق نہیں ہوئی ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ جناب فاطمہؑ کی زندگی میں انصاف و (ایکیوٹی Equity) کا تصور بدرجہ اتم پایا جاتا تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ زندگی ناانصافی سے بالکل پاک تھی ایکیوٹی بھی ایک طرح کا انصاف ہے لیکن اردو زبان میں اس کا کوئی لفظ نہیں ہے اس لئے انصاف کی یہ اصطلاح تشریح طلب ہے۔ اگر فرد کے انصاف سے کوئی سماجی انصاف سرزد ہو جائے یا قانون کی کوتاہی سے غیر شعوری طور پر ناانصافی ہو جائے تو ایسی سماجی و قانونی کوتاہی دور کرنا" ایکیوٹی" کہلاتا ہے۔ جناب فاطمہؑ کی زندگی میں "ایکیوٹی" کی دونوں مثالیں ملتی ہیں۔ یہ "ایکیوٹی کا ادراک تھا کہ گھر کے فرائض فاطمہؑ اور فضہ کے درمیان بٹے ہوئے تھے۔ فضہ کے فرائض کی ادائیگی کا دن جناب فاطمہ (س) کے آرام کا دن تھا اور جناب فاطمہ (س) کے فرائض کی ادائیگی کا دن جناب فضہ کے آرام کا دن تھا۔ اس میں انفرادی انصاف کے علاوہ سماجی انصاف کے تقاضے بھی پورے ہوتے ہیں۔ باغ فدک کے مقدمہ میں جناب فاطمہؑ یہ بتانے کے لئے گئی تھیں کہ یہ سوچ ہی غلط ہے کہ خدا کے پیغمبر کی جائیداد کا کوئی فرد وارث نہیں ہو سکتا۔ وہ نوح سے محمد تک مثالیں دے کر یہ بتلا رہی تھیں کہ یہ غلط سوچ قانونی کوتاہی پیدا کرتی ہے جس سے ناانصافی سرزد ہوتی رہے گی۔ اس کوتاہی کو دور کرنا Equity ہے۔ موجودہ اصطلاح میں وہ خلیفۂ وقت کو بتلانا چاہتی تھیں کہ " سربراہی عمل ہے، رُتبہ نہیں" ذاکرین اپنی ناواقفیت یا سہل پسندی میں کہہ دیا کرتے ہیں کہ اپنا حق مانگنے گئیں تھیں۔ وہ قانونی کوتاہی درست کرنے بھی گئیں تھیں۔ یہ اور بات ہے کہ اس درستگی میں مصلحت وقت کے تقاضے پورے نہ ہوتے تھے اس لئے یہ کوتاہی برقرار رکھی گئی لیکن اس کے برے نتائج بھی سامنے آئے۔ جس کی تشریح اس مقالہ کے حدود سے باہر ہے۔

پانچویں بات یہ ہے کہ جناب فاطمہ (س) منکسر المزاج تھیں اور مساوات کے تصور کی قائل تھیں۔ ان کی عملی زندگی میں انکساری و مساوات کے اوصاف جھلکتے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ انہوں نے اپنی زندگی کو بالادستی، برتری اور عدم مساوات سے چھڑایا۔ ذمہ داریوں کی تقسیم کی بات تو الگ جس کا ذکر انصاف کے حوالے سے اوپر ہو چکا ہے۔ یہ انکساری و مساوات کی صفتیں تھیں جس کے پیش نظر جناب فاطمہؑ نے فضہ کو کبھی غلام یا خادمہ نہ سمجھا۔ وہ گھر کے کاموں میں ہمیشہ معین و مددگار سمجھی گئیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ "وقار محنت کشی" کا تصور سوشلسٹ نظام کی دین نہیں ہے، جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ دراصل اس تصور کا بانی جناب فاطمہ (س) کا کردار اور اس کا عملی نمونہ ان کا گھر تھا۔

اس کے علاوہ، اس بات کا احساس بہت کم لوگوں کو ہے کہ انکساری و مساوات، اخلاقیات کے حدود سے نکل کر انقلاب بن گئے۔ ایک زمانہ تھا کہ انکساری و مساوات کو نیچی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور ان تصورات کو رد کیا جاتا تھا۔ اگر رد نہ کیا جاتا تو غلامی اور نوآبادیاتی نظام جائز کیسے قرار پاتے۔ یہ غالب و مغلوب دنیا در اصل انکساری و مساوات کے تصور کو رد کرنے کا نتیجہ تھی۔ حد تو یہ ہے کہ لفظ "آزادی" جو آج ایک بیش قیمت تصور سمجھا جاتا ہے۔ غلامی و نوآبادیاتی دور میں وہ محض غلامی کا مخالف لفظ تھا۔ جب دنیا عدم مساوات، تحکم و گھمنڈ کے خلاف چونکی اور ان تصورات کو اخلاقی حیثیت سے قابل مذمت سمجھا اور اس ردعمل کے نتیجے میں انکساری و مساوات کے مطالبے کا علم بلند کیا، تب جاکر تفریق و امتیاز کی دنیا بدلی اور اس تبدیلی کو بروئے کار لانے میں پہلے غلامی اور پھر بعد میں نوآبادیاتی نظام، دنیا سے ختم ہوا۔ اس طرح انکساری و مساوات نے، جو جناب فاطمہؑ کے کردار کی نمایاں خصوصیات ہیں، دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا، ۱۹۴۵ء کے بعد کی دنیا وہ نہ رہی جو اس سے پہلے تھی۔ اس اعتبار سے جناب فاطمہ (س) کی یہ طرز زندگی عالم انسانیت کے لئے مشعل راہ ہے۔

"لفظ فاطمہ کی تشریح میں جو کچھ بھی بیان کیا گیا اس سے یہ صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ فاطمہؑ نے اپنی زندگی کو عیش و عشرت، اسراف، غیر ذمہ داری، بد احساسی، جھوٹ، مکاری، ناانصافی، و عدم مساوات اور احساس برتری وغیرہ جیسے عیوب سے دور رکھا۔ اس طرح وہ اسم بامسمّیٰ بن گئیں، اس لفظ کی تفسیر بن کر وہ عالم انسانیت کے لئے ایک معیار زندگی متعین کر گئیں۔ ان عیوب کی موجودگی میں زندگی جہنم سے بدتر، ان عیوب سے چھڑائی ہوئی زندگی بہشتی اور خدا کے لطف و کرم کا باعث۔ اس طرح لفظ فاطمہؑ کی تفسیر جناب فاطمہؑ، انسانیت کو سنوارنے کا ایک مقدس تحفہ ہیں۔"

زہرا: جناب فاطمہؑ کا دوسرا نام زہرا ہے جس کے معنی کلی کے ہیں جو باغ کی قوت نمو اور پھیلنے پھولنے کا باعث ہوتی ہے۔ نام زہرا کی دہری اہمیت ہے۔ اول یہ کہ اولاد نرینہ کی عدم موجودگی میں رسولؐ کی

افزائش نسل کا انحصار اسی کلی پر تھا۔ دوئم یہ کہ عام طور سے یہ تصور ہے کہ افزائش نسل، بیٹی سے نہیں، بیٹے سے ہوتی ہے۔ دراصل یہی وہ اعتقاد تھا جس کی بنیاد پر رسولؐ کو "ابتر" کہا جاتا تھا۔ خدا نے اسی کلی سے افزائش نسل مقدر کرکے اس عام ذہنیت کو ختم کیا۔ اسی وجہ سے فاطمہؑ کا نام زہرا مقبول ہوا۔ دورِ جدید کی اصطلاح میں زہرا رسولؐ کے افزائش نسل کی Stem cell (حیاتیاتی جڑ) تھیں۔ جس کے نتیجے میں اولادِ رسول انسانیت کی رہنمائی کے لئے وقف رہی۔ زہرا (س) کا یہ مرتبہ ان لوگوں کے لئے سبق آموز ہے جو اپنے برتاؤ اور پرورش میں لڑکی کے مقابلے میں لڑکے کو ترجیح دیتے ہیں یا لڑکے کی آرزو میں رحمِ مادر ہی میں لڑکی کے جنین (Foetus) کو ناپسندیدہ یا ناگوار سمجھ کر ختم کرادیتے ہیں، زہرا (س) کا مرتبہ اس ذہنیت کے انسانوں کو ہمیشہ شرمندہ کرتا رہے گا۔

اُمِّ ابیہا: اُمِّ ابیہا کے لغوی معنی ہیں اپنے باپ کی ماں۔" خدائے وحدہٗ لاشریک کے پیغام کی اشاعت کے نتیجہ میں فاطمہؑ نے اپنے باپ کے ساتھ کی جانے والی تمام بدسلوکیوں کو برداشت کیا۔ انہوں نے دیکھا کہ کس طرح ان کے پاب کے سر پر کوڑا پھینکا جاتا ہے، کس طرح ان کے جسم کو انھیں کے خون سے لہولہان کیا جاتا ہے۔ انہوں نے اپنے باپ کے قتل کے منصوبے سنے اور ان کی زندگی کو ختم کردینے کی دھمکیاں بھی گوش گزار ہوئیں۔ وہ معصوم ہاتھ جو سر سے کوڑا اور جسم کا خون صاف کرتے رہے۔ اور وہ معصوم دل جو قتل کے منصوبوں اور دھمکیوں سے خوفزدہ اور پریشان ہوتا رہا، وہ ہاتھ اور وہ دل یقیناً ایک ماں ہی کا ہو سکتا تھا۔ وہ اپنے باپ کی زندگی کو ایک مادرانہ شفقت اور تعلق خاطر ہی سے پروان چڑھا رہی تھیں۔ جب ہی **اُمِّ ابیہا** کے خطاب کی مستحق ٹھہریں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ باپ کا بے ساختہ خوشی ومحبت سے سرشار ہوکر کھڑے ہو جانا، بیٹی کا استقبال تھا یا **اُمِّ ابیہا** کو خراج عقیدت۔ فاطمہ، زہرا (س) اور **اُمِّ ابیہا** کے اوصاف کی تشریح فاطمہ (س) کی زندگی پیش کرتی ہے۔ ان الفاظ کے اوصاف کی تشریح میں جناب فاطمہ کا کردار سامنے آتا ہے۔ لیکن ان اوصاف کی اجتماعی شکل کو " خلق عظیم " کے علاوہ کوئی اور نام دیا نہیں جاسکتا۔ جس سے خود رسولؐ متصف تھے۔ یعنی یہ اوصاف " پھیلے تو فاطمہ اور سمٹے تو رسولؐ " نظر آنے لگے۔ لیکن پھیلے ہوئے اوصاف کے ذریعہ ہی سمیٹی ہوئی " خلق عظیم " سمجھ میں آسکتی ہے۔ براہ راست سمجھنا مشکل ہے۔ اس طرح جناب فاطمہ (س) ان اوصاف کی تفسیر بھی ہیں اور " خلق عظیم " کی تشریح بھی۔ یہ معیار ہے جس سے انسانیت کسب فیض کرتی رہے گی۔ یہ وہ کسوٹی ہے جس پر انسان، حسب استعداد پرکھا جاتا رہے گا۔

اس مرتبہ کے پیش نظر یہ عجیب سا لگتا ہے کہ جناب فاطمہ (س) کو طبقۂ نسواں کا رہنما قرار دیا جاتا ہے۔ کوئی بھی عورت فقط اپنی جنس کی نمائندہ نہیں ہوسکتی اس لئے کہ جنسی تفریق سے ماوراء ہوکر وہ

عمل پیدائش اور نشو و نما کے فرائض ادا کرتی ہے جہاں تک جناب فاطمہ کا تعلق ہے، انہوں نے جنسی تفریق سے بے نیاز ہو کر نہ صرف امت بلکہ رہنمایان امت کی نشو و نما کی ہے۔ اسی لئے وہ جائز طور پر اماموں کی ماں کہلاتی ہیں۔ ان کو طبقۂ نسواں میں محدود کر دینا محض جنسی تعصب ہے جو ان کو وہ مرتبہ دینا نہیں چاہتا جس کی وہ حقیقتاً مستحق ہیں۔

کردار کی تشکیل میں خارجی ماحول کا اپنا حصہ ہوتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ جناب فاطمہ (س) کے کردار پر خارجی ماحول نے کیا تاثرات قائم کئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شفیق باپ کے سایۂ عافیت میں جناب فاطمہ (س) پروان چڑھیں۔ اس کے علاوہ حضرت علیؑ کی والدہ فاطمہ بنت اسد، حضرت علیؑ کی بہن ام ہانی اور پھوپھی صفیہ وہ معزز و برگزیدہ خواتین تھیں جنہوں نے تین برس کے سن سے ماں کا سایہ اٹھ جانے کے بعد، جناب فاطمہ کی پرورش و تربیت کی۔ لیکن تعلیم و تربیت کی اہمیت کو نظرانداز کیے بغیر، خارجی ماحول نے کیا نظم و ضبط پیدا کیا، یہ اس لیے موضوع گفتگو ہے کیونکہ اس طرف کم ہی توجہ ہو پاتی ہے، واقعات بتائے جاتے ہیں لیکن یہ بات سامنے نہیں آتی کہ ان واقعات نے کردار پر کیا تاثرات مرتب کئے۔

ذرا غور کیجئے: رسول ﷺ کی زندگی کا چراغ بجھا دینے کی سازش بروئے کار لائی جا رہی ہے۔ رسول ﷺ کو بروقت اطلاع ملتی ہے حضرت علیؑ کو اپنے بستر پر سو جانے کی ہدایت دیکر مکہ سے مدینہ کی جانب روانہ ہو جاتے ہیں۔ کتنے صبر آزما حادثات تھے۔ گھر کھنچی ہوئی تلواروں سے گھرا ہوا تھا۔ گھر کے بیرونی حصہ میں رسولؐ کے بستر پر، رسول کی چادر اوڑھے حضرت علیؑ لیٹے ہوئے تھے اور اندرونی حصہ میں حضرت علیؑ کی والدہ اور جناب فاطمہؑ پریشانی و تشویش کا مجسمہ بنی بیٹھی تھیں۔ اسی عالم میں پوری رات گزر گئی۔ جب صبح دشمنوں کو رسولؐ کے چلے جانے کی اطلاع ملی تو وہ لوگ گھر چھوڑ کر تلاش میں نکل گئے۔ گو گھر کی ناکہ بندی کا خطرہ تو ٹل گیا لیکن رسول ﷺ کی زندگی کے سلسلہ میں تشویش اور بڑھ گئی۔ حضرت علیؑ نے جب اپنی والدہ اور فاطمہ (س) کے ہمراہ ترک وطن کرکے مکہ سے مدینہ جانے کی کوشش کی تو دشمن راستہ روک کر کھڑے ہو گئے اس لئے کہ رسولؐ کو پالینے کی حضرت علیؑ قیمت تھے۔ حضرت علیؑ نے نیام سے تلوار نکالی، دشمن کے گروہ کا ایک فرد قتل ہوا تب دشمن پیچھے ہٹے۔ ایسے روح فرسا حالات آنکھوں کے سامنے گزرے جس نے جناب فاطمہؑ کے اعصاب کو جھنجھوڑ کر دکھ دیا۔ جب وہ مدینہ پہونچیں اور اپنے باپ سے ملیں، تب اعصاب کا تناؤ ختم ہوا اور وہ اپنے آپ میں آئیں۔

ان خارجی حالات نے جناب فاطمہؑ میں ضبط و تحمل، صبر و ایثار اور تسلیم و رضا کے اوصاف پیدا کر دیے۔ مانتا ہوں کہ باپ کی رحلت پر، جناب فاطمہؑ بہت روئیں، خود بھی روئیں، بلال کی اذان کے حوالے سے بھی روئیں، دوسروں کی بے چینی کا پاس و لحاظ کرتے ہوئے تنہا مقام پر جا کر روئیں، اپنی

بکھری ہوئی شخصیت کو سمیٹ کر روئیں، پھر بھی اپنے شدت احساس سے دوسروں کو بے خبر ہی رکھا۔ اپنے ضبط و تحمل، صبر و ایثار اور تسلیم و رضا کے وقار کو ٹھیس لگنے نہ دی۔ پھر بھی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس شدت گریہ میں ایک بیٹی اپنے باپ کو رو رہی تھی، یا اُمِّ ابیہا بین کر رہی تھیں، یا باپ کی زندگی سے قبل اور باپ کی زندگی کے بعد کے ناقابل برداشت حادثات جسم و روح کو منتشر کر رہے تھے اور ہلاکت ابدی کا باعث بن رہے تھے۔ حقیقت کچھ بھی ہو۔ آخری بات سچائی بن کر سامنے آگئی جبکہ جناب فاطمہ (س) رسولؐ کے انتقال کے بعد کل ۳ماہ زندہ رہ سکیں۔

حالات و حادثات نے جناب فاطمہؑ کی زندگی تو ختم کر دی لیکن ضبط و تحمل صبر و ایثار اور تسلیم و رضا کے اوصاف پر کوئی آنچ نہ آسکی۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ ان اوصاف کو نئی زندگی مل گئی۔ جناب فاطمہ (س) کی شخصیت کا ایک حصہ ضبط و تحمل میں مجسم ہوا جسے ہم امام حسنؑ کہتے ہیں، دوسرا حصہ صبر و ایثار کے پیکر میں اُبھرا جس کو ہم امام حسینؑ کہتے ہیں، تیسرا حصہ تسلیم و رضا کی خستگی بن گیا جس کو ہم جناب زینب اور ام کلثومؑ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان اوصاف کا اجتماع جناب فاطمہؑ اور ان کی تقسیم ان کے بچے ہیں۔ ناموں کی صفتوں کے سلسلے میں یہ کہہ چکا ہوں کہ فاطمہؑ زہرا اور ام ابیہا کا اجتماع "خلق عظیم" جو باپ کا خطاب اور ان کا علیحدہ اظہار فاطمہؑ کا کردار ہے۔ چاہے وہ نام کے اوصاف ہوں جو باپ و بیٹی کے درمیان آئینہ و عکس ہیں اور چاہے وہ حالات کے اوصاف ہوں جو ماں اور بچوں کے درمیان آئینہ و عکس ہیں۔ دونوں حیثیتوں میں مرکزی حیثیت جناب فاطمہؑ ہی کی رہتی ہے۔ اس لئے کہ ایک جانب خلق عظیم کی تشریح جناب فاطمہؑ، دوسری طرف اپنے بچوں کے اوصاف کی تفسیر و اجتماع جناب فاطمہ۔ جناب فاطمہؑ کی یہ مرکزی حیثیت کسی علمی تجزیہ کی مرہون منت نہیں ہے۔ آیت تطہیر میں بھی مسلّم، جہاں جناب فاطمہؑ ہی کے ذریعہ باپ، شوہر اور بچوں کا تعارف کرایا جارہا ہے اور مباہلہ کی آیت کی عملی تصویر میں بھی مستحکم، جہاں فاطمہ (س) کی مرکزی حیثیت اس طرح کہ فاطمہؑ کے آگے رسولؐ، پیچھے علیؑ اور گود میں بچے تھے۔ علمی تجزیہ جس مقام پر فاطمہؑ کو دیکھ رہا ہے وہ روحانی اعتبار سے بھی تسلیم شدہ ہے۔ کل ان روحانی چہروں کو دیکھ کر مباہلہ سے چشم پوشی کرنے والے آج کی عالم انسانیت کے لئے ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ یہی چہرے رہنمائی کا حق رکھتے ہیں۔"

اسلام کے ہدایتی اصول جناب فاطمہؑ میں اتنے رچ بس گئے تھے کہ جس کا اظہار الفاظ و عمل میں وہ عادتاً کرتی رہتی تھیں۔ اپنے حق کی وکالت میں جو مشہور تقریر کی تھی جس میں اپنے موقف کی وضاحت کی تھی، اس موقع سے بھی فائدہ اٹھا کر جناب فاطمہؑ سے اسلام کے ہدایتی اصولوں کی وضاحت کی۔ صرف یہی نہیں بتلایا کہ یہ اصول کیا ہیں۔ یہ بھی بتلایا کہ "کیوں" ہیں۔ پھر ان اصولوں کو "شرعی" زبان میں

نہیں بتلایا، مقولوں کی شکل میں پیش کیا جبکہ " مقولوں" کو پنپنے اور رائج ہونے کے لئے ایک زمانہ چاہیئے، ان اصولوں کو بیان کرنے میں قدرت واختیار دیکھئے:

۱۔ عقیدت ویقین اس لئے لازم قرار دیا گیا ہے تاکہ تم سرکشی اور غداری سے محفوظ رہو۔

۲۔ خیرات کو اس لئے لازم قرار دیا تاکہ برقراری حیات کے لئے غذائیت میں کشادگی ہو۔

۳۔ حج اس لئے لازم قرار دیا گیا تاکہ تم میں خوف خدااور عقیدت پیدا ہو۔

۴۔ اہلبیت کی اطاعت اس لئے لازم قرار دی گئی تاکہ معتقدین صحیح واقفیت حاصل کرکے اسلام کا مناسب نظام قائم کریں۔

۵۔ اہلیت کی رہنمائی اس لئے لازم قرار دی گئی تاکہ اسلام سے شر وفساد اور اختلافات ونفاق دور ہو اور اتحاد و وقار کی فضا بحال رہے۔

۶۔ صبر کی ہدایت اس لئے کی گئی تاکہ تمہاری دعائیں قبول ہوں۔

۷۔ فلاح وفیض کے اوصاف پیدا کرنے کی جانب ترغیب اس لئے دی گئی تاکہ تم عادتاً دوسروں کے ساتھ اچھے برتاؤ کرتے رہو۔

۸۔ تم سے تمہارے والدین کی نسبت اچھے اور نیک برتاؤ کی ہدایت اس لئے کی گئی تاکہ تم خدا کے عتاب سے بچے رہو۔

۹۔ خاندان کے افراد کی امداد کرنے کی ہدایت اس لئے کی گئی تاکہ یہ امداد قبیلہ وقوم کی فلاح وخوشحالی کا سبب بنے جس میں خود تمہاری فلاح وخوشحالی بھی شامل ہے۔

نوٹ: اس ہدایت کے عملی نتائج پر غور کیجئے خوجہ، بورے اور اسماعیلی فرقہ اور سکھ اِن اصول پر سختی سے پابند رہتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان فرقوں میں آج تک فقیر نہیں دیکھا گیا۔" ہندوستان کی کل انکم ٹکس کی آمدنی کا ۳۳ فیصد سکھ ادا کرتے ہیں، کل خیرات کا ۶۷ فیصدی سکھ خیرات کرتے ہیں، فوج میں ۴۵ فیصدی سکھ ہیں، ۵۹۰۰۰ سے بھی زیادہ سکھوں کے گرودواروں میں ساٹھ لاکھ انسانوں کو روز لنگر اور مفت کھانا کھلایا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ اس وقت جبکہ سکھ ہندوستان کی کل آبادی کا فقط ۱:۴ فیصد ہیں۔ (ہندوستان ٹائمس، ۱۸/مارچ ۲۰۱۴ء) یہ اس ہدایت کا عملی فیض ہے۔

۱۰۔ نذر ونیاز کی پابندی تم کو فیاض بناتی ہے جو تمہاری نجات میں مددگار ہے۔

۱۱۔ تم کو صحیح ناپ تول کرنے کی ہدایت کی گئی ہے تاکہ تجارت وکاروبار کی دنیا ناحق شناسی، بے ایمانی، گرانی اور قلّت کے عیوب سے پاک رہے۔

۱۲۔ تم کو شرم وحیا کے ساتھ پاکدامن رہنے کی ہدایت اس لئے کی گئی ہے تاکہ تم زنا کے بہتان سے

بچے رہو۔

۱۳۔ چوری کی ممانعت اس لئے کی گئی ہے تاکہ تم راستباز اور قابل اعتماد رہو۔

۱۴۔ یتیم کا مال ودولت اس کے متولی کے لئے اس خیال سے ناجائز قرار دیا گیا ہے تاکہ یتیم ظلم واستحصال کے امکانات سے بچا رہے۔

۱۵۔ حکمرانوں کو منصف مزاج رہنے کی اس لئے ہدایت کی گئی ہے تاکہ اس کو اپنی رعایا کی محبت حاصل رہے۔

کیا اور کیوں کے سیاق وسباق میں بیان کی جانے والی یہ ہدایتیں دراصل انسانی تقدس، احترام و خوشحالی کی ترویج اور حفاظت کے بنیادی اصول ہیں۔ انسانیت ہر دور وزمانہ میں بقدر ظرف لبیک بھی کہے گی اور بقدر صلاحیت ان کو اپنانے کی آرزومند بھی رہے گی۔

روحانی واخلاقی زندگی کے مساوی جناب فاطمہؑ کی دنیاوی زندگی، غربت ، عسرت، تنگدستی ، پرہیزگاری ، سکون، سخاوت، فیاضی اور خدمت وایثار سے عبارت تھی۔ اگرچہ یہ اوصاف ، کلی طور پر روحانیت واخلاقیات سے علیحدہ نہیں کئے جاسکتے لیکن یہ موضوعات علیحدہ اس لئے معرض بحث ہیں کہ آج کی دنیا کا کچھ عجیب وغریب ردعمل ہے۔ موجودہ دنیا حیران ہے کہ غربت ، بھوک اور عسرت کی زندگی کو اسقدر دلفریبی بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ سب تو منفی اوصاف ہیں جو کم نگاہی ، احساس کمتری، رذالت اور کمینگی پیدا کرتے ہیں جس سے سماج میں بزدلی ، تنزلی ، پست معیار زندگی ، خوب سے خوب تر، کے حصول میں کم ہمتی کو راہ ملتی ہے۔ یہ غربت وعسرت پر جدید تبصرہ ہے جس کو جناب فاطمہؑ نے اختیار کیا تھا لیکن جس کے ماحصل سے دنیا ناواقف ہے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ غربت وعسرت کی زندگی خود اختیاری تھی جس کا انتخاب آزادانہ اور سوچا سمجھا فیصلہ تھا۔ یہ انتخاب نشاندہی کررہا ہے کہ جناب فاطمہؑ طبقۂ اولیٰ کے بجائے عوام الناس کے دل کی دھڑکن بننا چاہتی تھیں۔ دوسری بات یہ تھی کہ جناب فاطمہؑ خدمت وایثار کے ذریعہ غربت کی زندگی کو پروقار بنانا چاہتی تھیں تاکہ عشرت کی زندگی، غربت کی زندگی کو شرمندہ نہ کرسکے، تاکہ غربت کی زندگی، عشرت کی زندگی کے سامنے حقیر وخوفزدہ نہ ہوسکے، تاکہ عشرت کی زندگی غربت کی زندگی کو ذلیل نہ کرسکے۔ یہ صحیح ہے کہ قیصر وکسریٰ میں اسلام تلاش کرنے والے جناب سیدہ کے بوسیدہ گھر کا رخ نہ کریں گے۔ لیکن اگر ایک نادار ومفلس کو "وقار انسانیت" کی تلاش ہوگی تو یقیناً اس کا سر آستانۂ فاطمہؑ ہی پر سرنگوں ہوگا۔ تیسری بات یہ ہے کہ ایک مفلس کی زندگی ٹھہراؤ اور صبر وتحمل پیدا کرتی ہے جبکہ ایک خوشحال زندگی آتش ہوس کو مہمیز کرتی ہے۔ جناب فاطمہ (س) کا کردار صبر وتحمل اور سکون وپرہیزگاری

کا سبق دیتا ہے۔

ان اوصاف کی اہمیت اس وقت سامنے آتی ہے جب ہم آج کی دنیا کے حالات حاضرہ پر تبصرہ کرتے ہیں۔ ہر ملک، وسائل کی قلّت و کمیاں سے نبرد آزما ہے۔اس موجودہ صورت حال کی تاریخ پر غور کیجئے تو پتہ چلے گا کچھ خوشحال ممالک نے اپنی بڑھتی ہوئی ہوس کی تسکین کے لئے وسائل پر قبضہ کیا، طاقت بڑھائی، دوسروں کا استحصال کیا۔ یہ سب کچھ اس لئے کیا تاکہ وسائل بلا شرکت غیرے، قابو یافتہ رہیں، ان کی سپلائی رکنے نہ پائے تاکہ دوسروں کی اشد ضرورت نظر انداز ہوتی رہے اور ان کی ہوس بے روک ٹوک پوری ہوتی رہے۔

اگر آج استحصال کے شکار ممالک کہہ رہے ہیں کہ انسان کی ضرورت پورا کرنے کے لئے قدرت کے وسائل بہت وافر ہیں، اگرچہ طمع کی تسکین کے لئے کم ہیں، اگر یہ ممالک آج وسائل کی مساوی تقسیم کا مطالبہ کر رہے ہیں، کفایت شعاری کے ساتھ ان کے استعمال کی بات کر رہے ہیں، دوسروں کی طمع اور عیش و عشرت سے پہلے اپنی ضرورتوں کو ترجیح دینے کی اپیل کر رہے ہیں تو یہ دراصل جناب فاطمہؑ کی طرز زندگی کی بازگشت ہے۔ یہ اسی زندگی کی پکار ہے۔ نوبت تو یہاں تک پہونچ گئی ہے کہ دولتمند ممالک، (برسوں کے استحصال کے نتیجے میں) غربت کے گھرے ہوئے سمندر میں ایک حقیر سا جزیرہ بن کر رہ گئے ہیں جس کو کسی بھی وقت غربت کی اٹھتی ہوئی لہریں ڈبو سکتی ہیں، دراصل یہ احساس ہے جس نے ان ممالک کو مجبور کیا کہ غربت و پسماندہ ممالک کو اقتصادی امداد کی بھیک دینے کے بجائے، ان کو اپنی تجارت میں شریک کار بنانے کا اعزاز بخشا جائے۔ یہ وہ فاطمی ادا کی مساوات تھی جس کو دولتمند ممالک نے سیکھ لیا ہے۔اس طرح غریب ممالک ضبط و تحمل کی راہ سے اور دولتمند ممالک مساوات کی راہ سے استحصال سے پیدا شدہ مسائل کا حل تلاش کر رہے ہیں۔ ضبط و تحمل، پرہیزگاری، کفایت شعاری اور مساوات پر مشتمل فاطمہؑ کی طرز زندگی جس حد تک ممالک میں راسخ ہوتی جائیگی اسی تناسب سے ان کو اصرار و استحصال کے مسائل سے نجات ملتی جائے گی۔

کمیونسٹ ممالک نے وسائل کو ہتھیالیا جس کی تقسیم حکومت کی ذمہ داری ہو گئی تاکہ امیری و غریبی کا فرق مٹ جائے اور اسراف و استحصال کے امکانات باقی نہ رہیں۔ اگرچہ اس اسکیم میں جناب فاطمہ کی طرز زندگی کی جھلک نظر آتی ہے لیکن یہ اسکیم اس لئے کامیاب نہ ہو سکی کہ "مادیت پرستی" کے زیر اثر تقسیم وسائل کے ساتھ تعمیری کردار بے توجہی کا شکار رہا۔ عوام میں صبر، قوت برداشت اور پرہیزگاری جیسے اوصاف پیدا ہی نہ ہوسکے جو وہ اپنی خواہشات پر دوسروں کی ضرورتوں کو مقدم ٹھہراتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لالچ اور اپنی طمع کی رہنمائی میں زیادہ سے زیادہ چیزیں بٹورنے لگے۔اس لوٹ میں حکومت کے وہ ایجنٹ

بھی شامل ہو گئے جن کے سپرد تقسیم کی ذمہ داری تھی۔ وہ اسٹور میں چیزوں کو پہونچانے سے پہلے مطلوبہ چیزیں اپنے عزیزوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ اس سے عوام میں ہوس کی آگ اور بھڑک اٹھی۔ وہ اسٹور سے بے ضرورت چیزیں بھی لینے لگے، اس خیال سے کہ معلوم نہیں یہ چیزیں پھر دستیاب بھی ہوں گی یا نہیں۔ غرضکہ تعمیر اخلاق کی عدم موجودگی نے صحیح تقسیم، مساوات فلاح و بہبود کے مقصد ہی کو ختم کر دیا۔ سرمایہ دارانہ نظام میں جو کچھ پرائیویٹ سیکٹر نے لوٹ مچائی، کمیونسٹ نظام میں وہی حکومت کی ایجنسیوں نے کیا۔ یہ دونوں اسراف و استحصال کی برائیوں کو دور کرنے کی کوشش میں خود مجسم اسراف واستحصال بن گئے۔ مرض کی تشخیص تو ہو چکی ہے۔ علاج کے مضمرات سے دنیا ابھی ناواقف ہے۔ یہیں پر فاطمہ (س) کی طرز زندگی پر شعور کو بیدار کرنے کی سخت ضرورت ہے۔

عالم انسانیت کو " فاطمی طرز زندگی" کی گہرائی و گیرائی سے واقف کرانا بہت ضروری ہے۔ غربت وعسرت میں اعلیٰ ظرفی، تنگدستی اور مفلسی میں صبر، افلاس میں ثابت قدمی حاصل کرنا اور شدت کے وقت میں بھی برقرار رکھنا قدرے آسان نہیں ہے۔ ایسی حالت میں فراخ دل اور فیاض رہنا اور بھی مشکل کام ہے۔ یہ منزل " بے خطر کو دپڑا آتش نمرود میں عشق" سے حاصل نہیں کی جاسکتی۔ اس کا اہل بننے کے لئے ذہن ودل کی وسیع اور عمیق تربیت چاہئے۔ اس کمی کا خمیازہ کمیونسٹ نظام بھگت چکا۔ اس کی عدم موجودگی کے نتیجے میں سرمایہ دارانہ نظام، ہر وقفہ کے بعد، جانکنی کی حالت سے گزرتا ہے۔ آرزومند ہیں لیکن عمل پیرا ہونے کے لئے ان نظاموں کے ہاتھ پیر شل ہیں۔

اس مشلول و مفلوج نظام کو یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ غربت و ناداری کی شدت میں بھی جناب فاطمہؑ نے اپنی ضرورتوں سے اپنے آپ کو بلند رکھا تاکہ وہ فیاض و سخی رہ سکیں، یہ ایسی نادر و کمیاب صفت ہے جس کے حصول کے لئے یہ اسراف واستحصال میں مبتلا دنیا آرزو تو کر سکتی ہے، عمل پیرا ہونے کی ہمت نہیں کر سکتی، کچھ تو اپنی کوتاہیوں کے زیر اثر اور کچھ ناواقفیت کی بناپر، یہ دنیا پس و پیش کرتی ہے۔ یہیں پر کوتاہیوں کی درستگی اور ناواقفیت دور کرنے کی سخت ضرورت ہے تاکہ ہر زمانہ کو عالم انسانیت، بقدر ظرف، انفرادی واجتماعی، دونوں حیثیتوں سے، جناب فاطمہ (س) کی طرز زندگی کا اتباع کرتے ہوئے صبر و تحمل، استغناء اور پرہیزگاری کی سعادتوں اور برکتوں سے مستفیض ہوتی رہے۔